قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے آداب

مؤلف: محمد رضا نور محمدی

مترجم: مولانا سید محمد جعفر زیدی

پیش لفظ

دعا انسان کی خدا سے براہ راست گفتگو، خدا کو پکارنا اور اسکے جواب کو سننا ہے، دست نیاز کو اسکی بارگاہ میں پھیلانا اور عالم غیب سے الٰہی تحفوں کو دریافت کرنا ہے، دعا ایک تربیتی و انسان ساز لائحہ عمل ہے۔ یہی امید لگائی جاتی ہے کہ ہر مسلمان ہر انسان پروردگار کی جانب متوجہ ہو اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لئے امیدوار رہے اور رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ ایک جہت سے دعا وہ عظیم عبادت ہے جسکے ذریعہ سے تمام مرادیں برآتی ہیں اور مقصد تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ دعا بندوں کو خدا سے متصل کرنے کا تنہا ذریعہ اور وہ وسیلہ ہے جسے پروردگار نے خود مقرر فرمایا ہے، اگر یہ رابطہ اور مبدائے عالم کی جانب توجہ نہ ہو تو خدائے منان اپنی تمام عنایتوں کا سلسلہ منقطع فرمادے گا۔ ایسی صورت میں بندے الٰہی انعام و اکرام کو قبول کرنے کی صلاحیت کو کھودیں گے اور رحمت الٰہی کے تقاضوں سے دور ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے نزدیک بندے کی یہ حالت ایک طرح کا غرور و استکبار ہے وہ بھی اس موجود کی جس کی بندگی کے علاوہ کوئی حیثیت ہی نہیں ہے

سرآغاز

انبیاء و رسل کو بھیجنے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کے بعد پروردگار کی رحمت و بخشش کا جو سب سے بڑا دروازہ تمام بندوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے وہ دعا و نیائش کا ہے۔ اسی طرح سے ہم مسلمانوں کے لئے دعا کی نسبت قرآن کریم سے بھی حاصل ہے، یہ آسمان سے زمین پر نازل شدہ کلام ہے اور دعا مخلوقات کے کلام کی معراج ہے جو زمین سے آسمان کی جانب صعود کرتی ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے پروردگار اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اور دعاؤں میں بندہ اپنے رب سے خواہشوں کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن مجید کو نازل کرکے پروردگار نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور سعادت و کامیابی کی راہ انھیں بتائی اور دعا کرنے کا حکم دے کر بندوں کو رب سے

ہمکلام ہونے کی عظیم سعادت عطافرمائی۔

فطرت کے تقاضوں کے تحت انسان ہمیشہ سکون دل کا طلبگار ہے لیکن بعض اسباب و عوامل کی وجہ سے وہ اضطراب، بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پروردگار کی یاد اطمینان اور اندرونی تسکین و آرامش کا ذریعہ ہے جو مادی خلاؤں کی وجہ سے انسان کے وجود کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچاتی ہے جس طرح سے لذتوں اور دنیا پرستی میں ڈوب جانا انسانی شخصیت کے تباہ و برباد ہو جانے کا سبب ہے اسی طرح پروردگار کی یاد دل سے غفلتوں اور خود فراموشی کی گرد ہٹا کر اسے صاف و شفاف آئینہ بنا دیتی ہے۔

دعا خدا کے ذکر و یاد کا ایک مصداق اور ذات باری تعالی سے دل و روح کی الفت و انسیت کا ایک ذریعہ ہے جس سے نفس کو سکون و آرامش نصیب ہوتا ہے، بالکل اس عاشق کی طرح جسے اسکا معشوق مل گیا ہو اور اب وہ اسکے دیدار سے خوشحال اور اسکی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ جو نہایت اطمینان و سکون سے اپنی مشکلوں کو اپنے محبوب کے سامنے رکھ رہا ہے، دل کے رازوں سے پردہ اٹھا رہا ہے، اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو بغیر کسی جھجھک کے بیان کر رہا ہے اور ان آرزوؤں تک پہنچنے کے لئے اس سے مدد مانگ رہا ہے۔ اسکے دیدار سے شاد و خرم اور اس سے گفتگو کر کے خوش ہے جسم و روح سے غفلتوں کی گرد و غبار کو صاف کر کے، میں اور ہم کے حجابات کو چیر کر ٹکٹکی باندھے اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہے اور محبوب سے ملنے والے انعام و اکرام کا طالب ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا دعا و راز و نیاز پر خاص توجہ دینا اور اس پر اصرار کرنا خالق کائنات کے آگے انکے ادب و تسلیم کی ایک مثال ہے۔ انبیاء دعا کے وقت ہر گز خود کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ صرف معشوق کو دیکھنا چاہتے ہیں جس نے خود کو ظاہری آنکھوں سے پنہاں اور دل کی آنکھوں پر عیاں کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاح و کامیابی کے لئے دوسرے تمام عوامل و اسباب کی بنسبت دعا زیادہ کارگر و مفید ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ دعا اپنے رب سے ملنے کا چھوٹا اور سیدھا راستہ ہے۔ دعا برجستہ عبادتوں میں سے ایک ایسی عبادت ہے جسکے آداب، احکام اور اسرار ہیں۔ مثال کے طور پر دعا کا ایک ادب جو پروردگار عالم اپنے پیغمبر کو تعلیم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کو آہستہ اور گریہ و نالہ کے ساتھ بیان کرو اور صبح و شام اپنے دل میں پروردگار کو خوف و حزن کے عالم میں

آہستہ آہستہ یاد کرو اور غافلوں میں سے مت ہو جاؤ۔

سر دست تحریر کے دو حصے ہیں: پہلے حصہ میں قرآنی آیات کی روشنی میں مفہوم دعا بیان کیا گیا ہے جس میں دعا کے معنی، دعا کی اہمیت اور مضطر کی دعا کی قبولیت کو ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں قرآن میں انبیاء کی دعاؤں کے آداب جیسے اللہ کی ربوبیت کا اعلان، اوصاف الٰہی کا تذکرہ، گناہوں کا اعتراف اور اسکی نعمتوں کو یاد کرنا وغیرہ جیسے مطالب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

سابقہ تحقیق

موضوعِ تحقیق یا اس سے مربوط لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوا کہ شرائط و آداب دعا کے بارے میں مستقل طور پر کوئی جامع تحریر موجود نہیں ہے اور اس سلسلہ سے کوئی اہم کام بھی نہیں ہوا ہے، اگرچہ علوم قرآن کی بحثوں اور حدیث اور اخلاق کی کتابوں میں متفرق طور پر اسکے کچھ مطالب بیان ہوئے ہیں یا کبھی تفسیر کی کتابوں جیسے سورہ فرقان کی آیت نمبر ۷۷ کے ذیل میں یا سورہ مائدہ کی اخری آیتوں کے ذیل میں اسکے کچھ مطالب ذکر ہوئے ہیں۔

اس عنوان پر اہم ترین کتاب "عدة الداعي، نجاح الساعي" (ابن فهد حلی) کی ہے جس کا محمد حسین نائینی نے ترجمہ کیا ہے اس کتاب کے چوتھے باب میں کیفیت دعا کے ذیل میں دعا کے اقسام اور آداب کا تذکرہ ہے۔

اس عنوان پر ایک اور کتاب "اسرار خاموشاں" (شرح صحیفہ سجادیہ) ہے جسکی تشریح و توضیح محمد حسین خلجی نے کی ہے اس کتاب میں مفہوم وآداب دعا اور دعا کی قبولیت کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے کچھ شرائط اور آداب دعا کو کتاب "مفتاح الفلاح" (مولف شیخ بہائی) کے مقدّمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس عنوان پر ایک اور کتاب محمد ری شہری کی لکھی ہوئی "میزان الحکمہ" ہے جسکی چوتھی جلد میں آداب دعا اور بعض شرائط دعاء کو حدیثوں سے نقل کیا گیا ہے۔

شیخ کلینی کی کتاب "اصول کافی" کی چوتھی جلد (مترجم سید جواد مصطفوی) بھی ایک ماخذ ہے جس میں "کتاب الدعاء" کے عنوان سے مختلف بحثوں کو ذکر کیا گیا ہے۔

مرحوم علامہ مجلسی کی مایہ ناز کتاب ''بحار الانوار'' کی ۹۰ اور ۹۱ نمبر کی جلد میں بھی دعا سے متعلق حدیثیں منقول ہیں۔

اسی طرح سے ملا احمد نراقی کی کتاب ''معراج السعادۃ'' اور سید عبد اللہ شبر کی کتاب ''اخلاق'' میں بھی آداب دعاء کی کچھ بحثیں بیان ہوئی ہیں۔

مختلف ویب پیجس (web pages) اور قرآن و حدیث کی روشنی میں آداب دعا کے عنوان سے مختلف تحقیقی مقالہ کو تلاش کرنے کے باوجود کچھ نہیں ملا ہاں اس عنوان سے مشابہ یا اس سے مربوط دوسرے عناوین پر لکھی گئی تھیسز یا کچھ مقالہ جات ضرور ملے ہیں۔

قرآن مجید میں دعا کا مفہوم

دعا کے لغوی معنی

''یدعو دُعاءَ دعواہ: اسے آواز دی، اسے بلایا، اسکے پاس گریہ و زاری و تضرع کیا اس سے کچھ طلب کیا'' (معلوف، ۲۶۷، ۱۳۸۶ء)

''الدُّعاءُ كَالنِّدَاءِ إِلَّا أَنَّ النِّدَاءَ قَدْ يُقَالُ بِيَا أَوْ أَيَا وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُضَمَّ إِلَيْهِ الاسمُ، والدعاءُ لَا يَكَادُ قَالَ إِلَّا إِذَا كَانَ مَعَهُ الاسمُ نحوُ: يَافُلانُ،وَقَدْيُسْتَعْمَل كُلّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَوضِعَ الآخر'' (راغب اصفہانی، ۳۱۵، ۱۴۲۳ھ)

دعا ندا کی طرح ہے (عربی میں ندا کا مطلب ہوتا ہے کسی کو بلانا) مگر یہ کہ کبھی کبھی ندا بغیر کسی کا نام لئے لفظ ''یا'' یا ''ایا'' کے ساتھ ہوتی ہے لیکن دعا اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک نام ذکر نہ ہو جیسے فلاں اور کبھی کبھی یہ دونوں یعنی دعا اور ندا ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں۔

''دعا بلانے، حاجت طلب کرنے اور مدد چاہنے کے معنی میں ہے کبھی صرف بلانا ہی منظور ہوتا ہے جیسے'' فلم یزدھم دعائی الافرارا ''(نوح/٦) اور کبھی مدد چاہنا و درخواست کرنا'' (قرشی، ۳۴۴، ۱۴۱۲ھ)

دعا کے اصطلاحی معنی

اصطلاح میں "ضرورت و اضطرار کے وقت پروردگار یا دینی رہنماؤں سے کسی چیز کی درخواست کرنا، معافی چاہنا" (نوری، ۳،۷، ۱۳۸۱)

قرآن مجید میں دعاء کی اہمیت

پروردگار عالم کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"قُلۡ مَا يَعۡبَؤُاْ بِكُمۡ رَبِّي لَوۡلَا دُعَآؤُكُمۡۖ" (فرقان/۷۷) آپ کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا و پکار نہ ہو تو میرا پروردگار تمہاری کوئی پروا نہ کرے۔

دعا وہ وسیلہ ہے جسکے ذریعہ سے پروردگار نظر لطف کرتا ہے اور اسکی رحمت دعا کرنے والے کے حق میں شامل ہوتی ہے۔ وہ لطف جو شقاوت و بدبختی کو انسانی زندگی سے ختم کردیتا ہے اور دعا کرنے والے کو سعادت و کامرانی سے ہمکنار کردیتا ہے۔ محبت کرنے والوں کا محبوب، عاشقوں کا معشوق، یاد کرنے والوں کا انیس، شکر کرنے والوں کا رفیق و ہم نشیں، صاحبان دل کی تکیہ گاہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌۖ أُجِيبُ دَعۡوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِۖ فَلۡيَسۡتَجِيبُواْ لِي وَلۡيُؤۡمِنُواْ بِي لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُونَ" اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں یقینا قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا و پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ تو ان پر بھی لازم ہے کہ وہ میری آواز پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یقین رکھیں) تاکہ وہ نیک راستہ پر آجائیں۔

انبیاء چونکہ عقل، درایت، بصیرت اور کرامت کے لحاظ سے تمام انسانوں سے برتر ہیں، انکا قلب تمام قلوب سے زیادہ نورانی ہے غیب و شہود کے بارے میں انکا علم کامل ترین علم ہے ان سب کے باوجود انھوں نے دامن دعا کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا انکی زندگی کی کوئی شب و روز ایسی نہیں تھی جس میں وہ دعا و راز و نیاز نہ کریں اور محبوب کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں۔

انکے نزدیک دعا روح کی بلندی، دلوں کی حیات، باطنی گرد و غبار کو ہٹانے اور خیمہ حیات کو نفرتوں کدورتوں سے پاک وصاف کرنے کا سبب ہے۔ انھیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ بارگاہ رب العزت سے کوئی بھی اپنی مرادوں اور حاجتوں کو حاصل کئے بغیر واپس نہیں لوٹتا۔ اسی وجہ سے انھیں دعا کی قبولیت پر پختہ ایمان تھا اور اس راہ میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کا شکار نہیں تھے حضرت حق سے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ اپنی تمام دعاؤں کی قبولیت کی درخواست کرتے تھے انھیں اطمینان کامل تھا کہ نیازمندوں کی دعا بے نیاز کی بارگاہ میں ضرور قبول ہوگی قرآن مجید اسی حقیقت کو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی اس طرح بیان کر رہا ہے:

" الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ " (ابراہیمؑ/ ۳۹)

ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل واسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے بے شک میرا پروردگار دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

حضرت زکریا نے بڑھاپے میں پروردگار سے بیٹے کی خواہش کی تو پروردگار نے انھیں اور انکی بیوی جو کہ بانجھ ہو چکی تھیں انھیں یحییٰ عطا کیا:

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا (۵) يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (۶) يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا (۷) قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۸) قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (۹) (مریم،۵۔۹)

اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر جو میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی اور اے میرے پروردگار! تو اسے پسندیدہ بنا۔)ارشاد ہوا) اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا جس کا اس سے پہلے ہم نے کوئی ہمنام نہیں بنایا۔ زکریا نے (از راہ تعجب) کہا اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا: ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے ہی اس سے پہلے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کے کہنے پر پروردگار کی بارگاہ میں مائدہ آسمانی کے نزول کی دعا کی اور پروردگار نے انکی اس دعا کو قبول فرمایا اور عیسی وانکے حواریوں کے لئے لذیذ جنتی کھانوں کا دستر خوان نازل کیا:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۱۱۲) قَالُوا نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ (۱۱۳) قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۱۱۴) قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (۱۱۵) (مائدہ/۱۱۲۔۱۱۵)

پروردگار نے ہر حال میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے ان سے چاہا ہے کہ غم اور خوشی ہر حال میں بارگاہ رب العزت میں اپنی جبین نیاز کو جھکاتے رہیں اور دست دعا کو بلند رکھیں، شکستہ دل اور نم آنکھوں سے اپنی حاجتوں کو اس سے طلب کریں اور دعا کی قبولیت کے اسکے حتمی و قطعی وعدہ پر بھروسہ رکھیں ان تمام باتوں کو پروردگار نے سورہ غافر کی ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

" وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ " (غافر/۶۰) اور تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور جو لوگ میری (اس) عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

خدا کو کیوں آواز دیں؟

بیشک خدا کے سوا کوئی بھی بندوں سے اتنا قریب نہیں ہے۔ وہ اتنا قریب ہے کہ جس نے انسان کو وجود عطا کیا اسے ماؤں کے رحم میں جگہ دی پھر وہاں سے دنیا میں منتقل کیا اور دنیا میں اپنے اس مہمان کے لئے دستر خوان کرامت کو ہر طرح کی مادی و معنوی نعمتوں سے سجایا اسکی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا جو اسے دنیا و آخرت میں سعید و کامیاب کرے، قرآن اور امام جیسی عظیم نعمتیں اسکے لئے قرار دیں اسکی تشنگی کو شفاف و زلال پانی سے مٹایا، بھوک کے لئے انواع واقسام کی لذیذ غذائیں قرار دیں جب وہ بیمار پڑا تو اسے شفایابی

عطا فرمائی۔:

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (۷۸) وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ (۷۹) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (۸۰) وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ (۸۱) وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (۸۲) (شعرا/ ۷۸-۸۲)

جب اسے بیکس و تنہا پایا تو اسکے لئے بیوی بچے دوست واحباب قرار دیئے، اسکے برہنہ بدن کو نرم و گرم لباس سے ڈھانپا۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (۲۶) (اعراف/۲۶)

لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت قرار دی: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (۹۶) (مریم/ ۹۶)

چاہے جیسی بھی مشکلیں ہوں رب نے اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑا، اسکی صحت و سلامتی کو باقی رکھا اور اسکی آبرو و حیثیت میں اضافہ فرماتا چلا گیا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (۱۰) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا (۱۱) وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا (۱۲) مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (۱۳) وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (۱۴) أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (۱۵) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۱۶) وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (۱۷) ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (۱۸) وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا (۱۹) لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۲۰) (نوح/۱۰-۲۰)

خدا کے علاوہ کون یہ تمام اسباب و وسائل کو فراہم کر سکتا ہے اور اسکی ذات علیم کے سوا کون بندوں کے تمام حالات، ضرورتوں اور حاجتوں کو جان سکتا ہے؟ لاریب کہ وہ ہر ایک سے زیادہ انسان سے نزدیک ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق/ ۱۶) اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ اس کا نفس کیا کیا وسوسے پیدا کرتا ہے اور ہم اس سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔

قرآن کی نگاہ میں دعا کی اہمیت وفضیلت

قرآن مجید میں دعا کے مختلف پہلو بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ قرآن نے دعا و نیایش کا حکم دیا ہے اور بندوں سے چاہا ہے کہ اس عظیم نعمت سے جو تمام الٰہی فیضان تک پہنچتی اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا سبب ہے اس سے غفلت نہ برتیں۔

قرآن کریم میں پروردگار کا ارشاد ہے: " ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ " (اعراف/۵۵) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خاموشی کے ساتھ پکارو اور خلق خدا پر زیادتی نہ کرو وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

نہ صرف یہ کہ پروردگار نے بندوں کو دعا و نیائش کا حکم دیا ہے بلکہ اس نے پیغمبروں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بندوں کو دعا کی ترغیب دلائیں، حدیث قدسی میں پروردگار جناب موسیٰ سے ارشاد فرماتا ہے: "یا مُوسٰی مُرْ عِبَادِي يَدْعُونی" (کلینی، ۲۵۸، ۱۳۸۸) اے موسیٰ! میرے بندوں کو حکم دو کہ مجھے پکاریں۔ اسی طرح سے عیسیٰ ابن مریم سے فرماتا ہے "یاَ عیسٰی... آمن بِي تَقَرب بِي اِلَی المُومِنِین وَ مُرْهُم اَنْ يَدْعُونِي مَعَكَ..." (کلینی، ۲۵۹، ۱۳۸۸) اے عیسیٰ! مجھ پر ایمان لاؤ اور مومنین کے ذریعہ میرے نزدیک ہو اور انھیں حکم دو کہ تمہارے ساتھ وہ بھی مجھ سے دعا مانگیں۔ قرآن مجید میں نبی کریم (ص) سے ارشاد ہوتا ہے: "قُلِ ادْعُوا اللَّهَ" (اسرا/۱۱۰) اے پیغمبرؐ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کہہ کر پکاریں۔

۲۔ قرآن کی نگاہ میں دعا تمام مشکلوں سے نجات اور رنج وغم کے خاتمہ کا سبب ہے قرآن مجید کی ایک آیت میں اس جانب اشارہ اور دعا کرنے والوں سے گلہ بھی کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (۶۳) قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُم

مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ (انعام/۶۳-۶۴)

مصیبتوں اور سختیوں کے وقت نہایت خصوع و خشوع سے دعا و گریہ زاری کرتے ہو اور گڑگڑا کر اسکی قبولیت خدا سے چاہتے ہو اور پروردگار سے عہد و پیمان کرتے ہو کہ اگر اس مصیبت سے نجات مل گئی تو اسکے شکر گزار رہوگے لیکن نجات ملنے کے بعد دوبارہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ (سلیمانیان، ۲۰، ۱۳۷۷)

۳۔ قرآنی نقطہ نگاہ سے دعا و نیائش فطری امور میں سے ہیں اور سختیوں سے نجات کا تنہا راستہ پروردگار سے دعا و نیائش ہے ساتھ ہی ساتھ قرآن ایسے لوگوں کو بھی پہچنواتا ہے جو دعا کرنے کے بعد اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور اسکے ناسپاس بندے ہیں۔ سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد ہوتا ہے: "انسان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اٹھتے بیٹھتے کروٹیں بدلتے ہم کو پکارتا ہے اور جب ہم اس نقصان کو دور کر دیتے ہیں تو یوں گزر جاتا ہے جیسے کبھی کسی مصیبت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا بیشک زیادتی کرنے والوں کے اعمال یوں ہی ان کے سامنے آراستہ کر دیئے جاتے ہیں"

۴۔ وہ لوگ جو دعا نہیں کرتے پروردگار کے نزدیک انکا کوئی مقام و رتبہ نہیں ہے۔ آیت کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پروردگار کے نزدیک انسان کی قدر و منزلت اس حد تک ہے جتنا وہ بارگاہ رب العزت میں دعا و مناجات کرتا ہے۔ "قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ" (فرقان/۷۷) آپ کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا و پکار نہ ہو تو میرا پروردگار تمہاری کوئی پرواہ نہ کرے۔ ممکن ہے یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں دعا سے مراد خدا کی عبادت و اطاعت ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حق وہی ہے جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی معتبر روایتوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے کہ اس آیت میں دعا سے مراد عرف عام میں کہی جانے والی دعا ہے۔ (سید ابن طاووس، ۶۵، ۱۳۸۵) ایک دوسرے مقام پر پروردگار کا ارشاد ہے: "فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ" (انعام/۴۳) پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی؟۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہوگئے ہیں۔ اس آیت میں پروردگار واضح لفظوں میں اعلان فرما رہا ہے کہ اگر کفار گریہ وزاری کرتے تو پروردگار اپنے عذاب کی سختی کو ان سے اٹھالیتا۔ غور کریں تو پروردگار نے یہ نہیں فرمایا کہ اے کاش جب سختی یا ناگواری ہماری جانب سے ان تک پہنچتی تو وہ نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا حج بجالاتے یا قرآن کریم کی تلاوت

کرتے۔ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے یہ خود ایک روشن دلیل ہے۔

۵۔ یہ بھی خدائی وعدوں کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے کہ دعا اپنی مرادیں حاصل کرنے کی کنجی ہے: ''وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ '' (بقرہ/۱۸۶) اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں یقیناً قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا و پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔

البتہ اس عنوان پر صرف کچھ ہی آیتوں کو بیان کیا گیا اور اگر دعا کی فضیلت و اہمیت پر اس ایک آیت کے سوا (جس میں پروردگار اپنے پیارے نبی کو حکم دے رہا ہے) اور کوئی آیت نہیں ہوتی تو بھی اسکی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی و شافی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے: ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ '' (کہف/۲۸) اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ زندگانی دنیا کی زینت کے طلب گار بن جاؤ۔

دعا کرنے والوں کی اہمیت کو واضح و روشن کرنے کے لئے یہ آیت بہت بڑی سند ہے کیونکہ پرورگار نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ صبح و شام ان لوگوں کا خیال رکھو اور تمہاری چشم توجہ ان سے ہٹنے نہ پائے۔ (سید ابن طاوس، ۶۵۔۶۶، ۱۳۸۵)

مضطر کی دعا کی قبولیت

'' أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ'' (نمل/۶۲)

مضطر کی دعا کے قبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا دعا کرنے والوں کی دعاوں کو قبول فرماتا ہے اور اگر اضطرار کی شرط لگائی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مضطر کی دعا حقیقت پر منحصر ہوتی ہے، بے مطلب زبانی دعوے سے دور، چونکہ جب تک انسان پریشان حال و لاچار نہ ہو اسکی دعائیں اس حقیقت سے ہمکنار نہیں ہوتی ہیں جس حقیقت کو حالت اضطرار میں وہ درک کرتا ہے۔ نیز دعا کرنے کی بھی شرط لگائی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''إِذَا

دَعاہ" جب اسے پکارے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا اس وقت بندوں کی دعا کو شرف قبولیت نصیب کرتا ہے جب بندہ سچے دل سے اسے پکارے نہ یہ کہ لبوں پر نام خدا اور دعائیہ کلمات ہوں اور دل ظاہری اسباب پر تکیہ کیے ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تمام ظاہری اسباب و سامان سے دعا کرنے والے کی امیدیں منقطع ہو جائیں یعنی وہ یہ سمجھ لے کہ کوئی بھی انسان یا وسائل اسکی مشکلوں کو آسان نہیں کر سکتے ہیں اور جب وہ یہ سمجھ لے گا تو خود بخود صدق دل سے اسکا ہاتھ رب العزت کی بارگاہ میں بلند ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسکی زبان تو خدا کو پکارے گی لیکن دل غیر خدا کو آواز دے گا۔

لہٰذا اگر دعا سچی ہو یعنی صرف خدا ہی سے امید لگائی گئی ہو اور اسی کو پکارا گیا ہو تو خدا بھی ایسی دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے اور ان مشکلات کو جنھوں نے اسے مضطر بنا رکھا تھا اسے برطرف کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "اُدعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (غافر/۶۰) اس آیت میں کسی بھی طرح کی قید و شرط نہیں لگائی گئی ہے سوائے اس کے کہ صرف اسے پکارا جائے (طباطبائی، ۲۰۵) یہ جو ارشاد ہوا ہے "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ" یعنی غیر کو نہیں معلوم کہ تمام امور کی باگ ڈور کس کے ہاتھوں میں ہے اسی لئے وہ کہتا ہے پہلے خدا پھر طبیب لیکن مضطر بخوبی جانتا ہے کہ پہلا بھی خدا ہے اور بعد میں بھی خدا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص گمراہ ہونے والا تھا کوئی آکر اسے گمراہی میں پڑنے سے بچا لیتا ہے اب اگر اس انسان سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہے گا کہ پہلے خدا اور پھر دوسرے اگر وہ انسان مجھے گمراہی سے نہ بچاتا تو میں گمراہی کی دلدل میں دھنس جاتا، لیکن چونکہ مضطر حقیقتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے تو وہ اس طرح سے خدائے قہار کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے کہتا ہے "كَمْ مِنْ عِثَارٍ وَقَيْتَه" (دعائے کمیل) پروردگارا! تو نے مجھے ہر لغزشوں سے بچایا ہے وہ ہاتھ جس نے مجھے گمراہی سے بچایا وہ تیرا ہاتھ تھا تو نے اسکے دل میں یہ بات ڈالی تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور غیر مضطر کی دعا کو رد کر دیتا ہے البتہ مضطر جانتا ہے کہ جواب دینے والا کون ہے۔ (جوادی آملی، ۱۳۷۸،۲۳۴)

قرآن کریم میں انبیاء کی دعا کے آداب

انبیاء علیہم السلام کے دعائیہ کلمات سے آداب کو حاصل کیا جاسکتا ہے:

ا۔انبیاء علیہم السلام کی دعا میں ربوبیت الٰہی کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام اپنی دعاؤں میں ہر چیز سے پہلے "رب، ربنا اور ربی" جیسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، چونکہ ربوبیت، بندوں اور خدا کے درمیان حلقہ وصل ہے اور ہر دعا کے قبولیت کی کنجی ہے۔ باالفاظ دیگر؛ دعا کے وقت چونکہ بندہ مقام اظہار حاجت و ضرورت میں ہوتا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ ایسے نام کا سہارا لے جو اس مقام کے متناسب ہو۔ اسی وجہ سے "رب" جو کہ مالک و تربیت کرنے والے کے معنی میں ہے؛ دعا کے لئے نہایت مناسب ہے اور اس نام کو زبان پر جاری کرکے بندہ خود کو بحر الطاف الٰہی میں غرق اور ہمیشہ کے لئے فیضان الٰہی سے وابستہ پاتا ہے۔ درج ذیل آیتیں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کر رہی ہیں:

جیسا کہ حضرت آدم و حوا کی دعا میں آیا ہے: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا" (اعراف/۲۳)

بارالٰہا! ہم نے خود پر ستم کیا، یہ دعا و نیائش اس وقت کی ہے جب آدم و حوا نے اس درخت کا پھل کھالیا جس سے پروردگار نے نزدیک ہونے سے انھیں منع کیا تھا۔ ان دعائیہ کلمات سے انھوں نے پروردگار کی صفت ربوبیت سے توسل کیا جو کہ ہر شر کو دور اور ہر خیر کو نزدیک کرنے کا سبب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا اس وقت کی ہے جب آپ علیہ السلام نے ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ میں وادی لم یزرع میں پروردگار کے حکم سے تنہا چھوڑ دیا اور یہ دعا کی: "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۵) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۶) رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (۳۷) رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (۳۸) الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ (۳۹) رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ (۴۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (۴۱)" (ابراہیم/۳۵-۴۱)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس شہر کو محفوظ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت

پرستی سے بچائے رکھنا،پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے تواب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو معصیت کرے گا اس کے لئے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں پروردگار ہم جس بات کا اعلان کرتے ہیں یا جس کو چھپاتے ہیں تو سب سے باخبر ہے اور اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق جیسی اولاد عطا کی ہے کہ بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے پروردگار مجھے اور میری ذریت میں نماز قائم کرنے والے قرار دے اور پروردگار میری دعا کو قبول کرلے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب قائم ہوگا۔

علامہ طباطبائی ان آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''جناب ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں جہاں بہت سے لطیف نکات پائے جاتے ہیں وہیں ایک نکتہ پکارنے کی تعبیر کا مختلف ہونا ہے،ایک جگہ صرف ''ربِّ'' کا استعمال ہوا ہے اور دوسری جگہ ''ربنا'' کا۔ پہلے میں پروردگار کی نسبت خود کی طرف دی یہ ان نعمتوں کی وجہ سے ہے جو پروردگار نے خاص کر ابراہیم کو عطا کی تھیں جیسے اسلام میں سبقت اور امامت اور دوسرے میں جمع کا صیغہ استعمال کرکے خود کے علاوہ دوسروں کی جانب بھی پروردگار کی نسبت دی؛ اسکی وجہ وہ نعمتیں ہیں جن سے پروردگار نے ابراہیم کے علاوہ دوسروں کو بھی نوازا ہے۔اس طرح کی ندا کا مطلب یہ ہے کہ پکارنے والا عالم کے ذرہ ذرہ میں پروردگار کی ربوبیت کا قائل اور اسکا معترف ہے اور اس طرح سے پروردگار عالم کے سامنے اپنی عبودیت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔'' (طباطبائی،۷۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خود بندگی پروردگار اور خضوع و خشوع کی کامل مثال ہیں وہ اس طرح دعا فرماتے ہیں: عیسیٰ بن مریم نے کہا: خدایا، پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کردے کہ ہمارے اول و آخر کے لئے عید ہو جائے اور تیری قدرت کی نشانی بن جائے اور ہمیں رزق دے کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے'' (مائدہ/۱۱۴)۔پروردگار کے تمام اسماء مبارک میں اللہ وہ نام ہے جسکی خاص تاثیر ہے۔ایک روایت میں

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: تمام مخلوقات امیدوں کے منقطع ہو جانے کے بعد اور مشکلات و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے بعد تمام ظاہری اسباب و عوامل سے منہ پھیر کر جس ذات سے امید لگاتے ہیں وہی "اللہ" ہے۔ (حویزی، ۲۵۴، ۱۴۱۵ھ)

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عیسی کی دعاکاآغاز "اللھم، ربنا" سے ہوتا ہے جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی دعاؤں کو لفظ "رب یا ربنا" سے شروع کرتے تھے۔ مفسرین ندامیں اس لفظ کے اضافہ کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ سخت و دشوار موقع پر کمال ادب کی رعایت کو بتاتے ہیں شاید اسکی ایک وجہ یہ ہو کہ چونکہ حواریوں نے عیسٰی کے واضح و روشن معجزوں کو دیکھا تھا اسکے باوجود انکا عیسٰی سے اس معجزہ کی درخواست کرنا مقام اخلاص و یقین کے شایان شان نہیں تھا اور ممکن تھا عذاب و عتاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب بن جاتا اسی وجہ سے عیسٰی نے پوری احتیاط سے اور اس لفظ کا اضافہ کرکے جس سے خدا کی رحمت واسعہ جوش میں آجائے اپنے ہاتھوں کو پروردگار کی بارگاہ میں بلند کیا۔ (طوسی، ۶۱) یہی ادب ہمیں پیغمبر اکرم (ص) کی دعاوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے جیسا کہ خود پروردگار نے انھیں یہ حکم دیا ہے:

" وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا "

(اسرا/۸۰)

اور یہ کہئے کہ پروردگار مجھے اچھی طرح سے آبادی میں داخل کر اور بہترین انداز سے باہر نکال اور میرے لئے ایک طاقت قرار دے دے جو میری مددگار ثابت ہو۔

۲۔ دعا کے آغاز میں اوصاف الٰہی کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام لفظ رب کے استعمال کے بعد ایک اور ادب جسکا خاص خیال رکھتے تھے وہ پروردگار کے صفات کا بیان ہے۔ جیسا کہ عبودیت کا بھی یہی تقاضہ ہے انسان کو پروردگار کا تقرب حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اسے تمام اسباب سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور دعا کی حقیقت بھی بارگاہ معبود میں توجہ اور مقصد تخلیق و قرب الٰہی کی راہ میں حرکت کرنا ہے۔ جوہر و روح دعا، پروردگار کی جانب انسان کی قلبی توجہ ہے اور انسان کی توجہ اسی مقدار میں ہو سکتی ہے جتنا اسے اپنے خالق کی صفات و کمالات سے آشنائی ہو، یہی وجہ ہے کہ دعا سے پہلے اور دعا کے دوران اسماء و صفات اور حمد و ثنائے الٰہی کی جانب توجہ کرنے کی تاکید کی

گئی ہے۔ محمد بن مسلم امام صادق علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام کی کتاب میں مذکور ہے کہ حمد و ستائش سوال و تقاضہ کرنے سے پہلے ہے۔ (حر عاملی، ۳۴، ۱۴۰۹ھ: انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا جسے قرآن مجید بیان فرماتا ہے جناب یونس علیہ السلام کی دعا ہے جب آپ شکم ماہی میں تھے۔ "۔۔۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا" (انبیا/۸۷)

تمام انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام تنہا وہ نبی ہے جنکی دعا کا آغاز لفظ" رب " سے نہیں ہوتا ہے۔اس دعا میں جناب یونس اپنے عمل سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں چونکہ آپ کا عمل اگرچہ آپ کا قصد و ارادہ نہیں تھا لیکن بظاہر یہ نمایاں کر رہا تھا کہ خدا کے علاوہ بھی کوئی پناہگاہ ہے جسکی چوکھٹ میں پناہ لی جا سکتی ہے لہٰذا انھوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "لا الہ إلّا أنت "۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے پرور دگار کو ہر عیب و نقص و ظلم و ستم سے پاک و منزہ قرار دینا ذات باری تعالٰی کے سلسلہ میں ہر قسم کی بد گمانی کو ختم کر دیتا ہے۔ چونکہ جناب یونس کا عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ممکن ہے کوئی خدا کے کاموں پر اعتراض کرے یا یہ کہ ممکن ہے کوئی اسکی قدرت کے دائرہ سے باہر چلا جائے، اپنے اسی عمل کی معافی مانگتے ہوئے آپ کہتے ہیں: " سُبْحَانَكَ " (مکارم شیرازی، ۴۱۸، ۱۳۸۲)۔

اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ (ص) کو خدا اس طرح حکم دیتا ہے: " قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ " (آل عمران/۲۶)

" پیغمبر آپ کہئے کہ خدایا! تو صاحب اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلب کرلیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر ہے "۔

جوہر و روح دعا، پرور دگار کی جانب انسان کی قلبی توجہ ہے اور انسان کی توجہ اسی مقدار میں ہو سکتی ہے جتنا اسے اپنے خالق کی صفات و کمالات سے آشنائی ہو یہی وجہ ہے کہ دعا سے پہلے اور دعا کے دوران اسماء و صفات اور حمد و

ثنائے الہی کی جانب توجہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔اسی بنیاد پر اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ پروردگار نے پہلے لفظ" اللھم "کا ذکر کیا ہے حقیقت میں جو" یااللہ" تھا حرف ندا یعنی" یا" کو حذف کردیا گیا اور اسکی جگہ تشدید کے ساتھ "میم" کا اضافہ کردیا گیا" اللھم "کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کو تعلیم دی جارہی ہے کہ اپنے پروردگار کی کس طرح سے ثناء کریں۔اس آیت کریمہ میں اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ تو وہ خدا ہے کہ ہر خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور تو قادر مطلق ہے۔

گناہ کا اقرار

خدا کی حمد و ثنا کے بعد انبیاء علیہم السلام کی دعا کا ایک ادب اپنے گناہوں اور لغزشوں کا اقرار ہے۔گناہوں کا اقرار روح کو پروردگار کی فیض و رحمت سے متصل کردیتا ہے،گناہوں کا اعتراف دعا میں گریہ و زاری کا سبب بنتا ہے اور توبہ کی توفیق فراہم کرتا ہے۔ جناب نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال بدترین، ستمگرترین اور سرکش ترین قوم کی آزار و اذیت کو برداشت کرتے رہے اور ہر لحمہ انکی ہدایت کے بارے میں فکرمند رہے لیکن اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب محاسبہ کیا تو خود کو پروردگار کی بارگاہ میں مقروض پایا لہٰذا خدائے سبحان سے معافی کے طلبگار ہوئے اور ہمیں دعا کا ادب سکھا گئے:

" رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا "

(نوح/۲۸)

"پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوجائیں اور تمام مومنین و مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ کرنا "

سید قطب بیان کرتے ہیں کہ یہ رب کے بارگاہ میں بندے کے ادب کو ظاہر کررہا ہے وہ بندہ کو بھولا نہیں کہ وہ انسان ہے اور اس سے بھی خطا و لغزشیں ہوئی ہیں وہ جتنی بھی عبادت و اطاعت کرلے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے مگر یہ کہ پروردگار اپنے فضل و رحم سے اسکے ساتھ پیش آئے۔ (شاذلی، ۱۳۲، ۱۴۱۲)

موسی علیہ السلام بھی جب کوہ طور سے واپس پلٹ رہے تھے تو بارگاہ رب العزت میں اس طرح دست دعا بلند کیا: "موسٰی علیہ السّلام نے کہا کہ پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کردے اور ہمیں اپنی رحمت میں

داخل کرلے کہ توسب سے زیادہ رحم کرنے والاہے" (اعراف/۱۵۱)۔ خود اور ہارون کے لئے عفو کا تقاضہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ گناہ کے مرتکب ہوئے تھے بلکہ رب کریم کی بارگاہ میں یہ ایک طرح کا خضوع و خشوع اور اسکی جانب پلٹنا تھا۔ نیز بت پرستوں کے اعمال سے بیزاری و نفرت کا اظہار تھا تاکہ ہر ایک کے لئے لمحہ فکریہ قرار پائے اور ہر کوئی یہ سوچے کہ جب موسی وہارون نے کوئی گناہ نہیں کیا اسکے باوجود وہ پروردگار کی بارگاہ میں کس طرح گڑگڑا رہے ہیں تو دوسرے عام انسان اپنے اعمال کا خود ہی جائزہ لیں اور اسکی بارگاہ سے طلب مغفرت کریں۔ البتہ بعض مفسرین کا ماننا ہے کہ موسی علیہ السلام کا معافی چاہنا شاید اسکی وجہ ہارون کا گریبان پکڑنا اور الواح توریت کو زمین پر پھینکنا ہو۔ (مترجمان، ۶۴، ۱۳۶۰)

پروردگار اپنے نبی کو بھی تعلیم فرمارہا ہے کہ کس طرح طلب مغفرت کی دعا کی جاتی ہے: "وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ " (مومنون/۱۱۸) "اور پیغمبر! آپ کہئے کہ پروردگار میری مغفرت فرمااور مجھ پر رحم کر کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے "

روشن وواضح ہے کہ پروردگار کے نزدیک مغفرت طلب کرنے کا کیا مقام و رتبہ ہے۔ اس طریقہ سے پروردگار اپنے بندوں کو دستر خوان رحمت الٰہی سے بہرہ مند ہونے کے لئے آمادہ فرمارہا ہے۔ ایسی دعا و تعلیم ہر قسم کی نادانی و غفلت کو ختم کرکے انسان کے قلب و روح کو پاک و مطہر فربناتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعا سے ہم سیکھتے ہیں کہ شاہراہ توحید کا سالک غرور و خود فریبی سے دور ہوتا ہے اور ہر آن اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بروقت حساب وکتاب کرتا ہے۔

نعمتوں کو یاد کرنا

جناب یوسفؑ کے والد اور انکے بھائیوں نے جب انکی عظمت و رتبہ کو دیکھا تو سجدہ ریز ہوگئے، اس وقت جناب یوسف ماضی میں پیش آنے والے حادثات کو یاد کرتے ہوئے اس طرح دعا فرماتے ہیں: "پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا۔ تو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دنیا وآخرت میں میرا ولی اور سرپرست ہے مجھے دنیا سے فرمانبردار اٹھانا اور صالحین سے ملحق کر دینا۔" (یوسف/۱۰۱)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا میں بندگی و شکر گزاری کا ادب جس خوبصورتی سے بیان ہوا ہے وہ انسان کو غور و فکر

کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اپنی حاجتوں کو طلب کرنے سے پہلے نعمتوں کو یاد کرتے ہیں جن سے پروردگار نے انھیں نوازا تھا، اس طرح کی عبودیت و بندگی سبب بنتی ہے کہ انسان ہمیشہ خدا سے راضی اور اسکی نعمتوں پر شاکر رہے، ساتھ ہی اس سے نفسانی چین و سکون حاصل ہوتا ہے جو سلامتی و امنیت کا ضامن اور انفرادی و سماجی زندگی میں کامیابی کا سبب ہے۔ خدا کی حمد و ثنا کرنے اور مصائب و آلام میں پروردگار کے احسان کو یاد کرنے کے بعد آپ ان نعمتوں کو یاد کرتے ہیں جو آپ سے مخصوص تھیں۔ آپکی نظر میں یہ تمام امور پروردگار کی جانب سے تھے اسی وجہ سے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے میں نے زحمتیں اٹھائیں۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: خداوند عالم کی محبت سے آپ کا دل اس طرح سے مملو و سرشار تھا کہ آپکی پوری توجہ غیر خدا سے منقطع ہو گئی تھی جس کے نتیجہ میں اپنے والد سے گفتگو کے دوران اچانک آپ خدا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اس طرح سے اس ذات لم یزل کو مخاطب قرار دیتے ہیں: "پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا" (موسوی ہمدانی، ۱۳۷۴، ۲، ۲۷۴)۔

اسی طرح فرزند کے لئے جناب زکریاؑ کی وہ مناجات ہے جسے قرآن نے نقل کیا ہے:

" إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (٣) قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا (٤) وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا (٥) يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا" (مریم/۲-۶)

جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دھیمی آواز سے پکارا، کہا کہ پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا ہوں اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اسے اپنا پسندیدہ بھی قرار دے۔

سید قطب فرماتے ہیں: اس مرحلہ پر جناب زکریاؑ قرب و اتصال کے اعلیٰ درجہ پر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرتے ہیں اور رب کا استعمال بغیر حرف "ندا" کے کرتے ہیں۔ (شاذلی، ۱۴۱۲، ۲، ۷)۔ اس جملہ "لَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا" سے آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جوانی سے لے کر آج ہڈیوں کے کمزور اور بالوں

کے سفید ہونے تک میں تیرے ہی در کا گدار رہا ہوں اور کبھی بھی تیری نظر رحمت سے ناامید نہیں ہوا اور تیری بارگاہ سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہوں، رب رحیم کی بارگاہ میں اس طرح کی عاجزی و انکساری سبب ہوئی کہ پروردگار نے زکریاؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور انھیں یحیٰؑ جیسے بیٹے سے نوازا۔ (مترجمان، ۱۴۱، ۱۳۶۰)۔ ہر زمانہ میں نعمتوں کی کثرت سبب بنتی ہے کہ بعض مومنین دھیرے دھیرے خدا کے لطف و کرم کو فراموش اور اسکی بارگاہ میں راز و نیاز کرنے سے غافل ہو جائیں۔ لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام انسان کامل، امام اور ان کا عمل دوسروں کے لئے میزان و ترازو ہوتا ہے لہٰذا وہ ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ ہمیشہ خدا کے الطاف و کرم کو یاد کرتے رہیں۔

حاجتوں کا طلب کرنا

الٰہی نعمتوں کو یاد کرنے کے بعد حاجت طلب کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ انبیاء کی دعاؤں کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ معنوی حاجتوں کو صراحت کے ساتھ طلب کرتے لیکن مادی حاجتوں کو آشکارا طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو مکہ (وادی لم یزرع) میں پروردگار کے حکم سے تنہا چھوڑ دیا تو آپ نے اس طرح دعا فرمائی: ” وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۵) رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۶) رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ “ (ابراہیم/۳۵۔۳۷)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس شہر کو محفوظ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا، پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو اب جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو معصیت کرے گا اس کے لئے تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن

جائیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں جس ادب کا لحاظ کیا وہ یہ کہ پروردگار سے جو بھی حاجت طلب کی چونکہ جائز و ناجائز دونوں مقاصد کے لئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا لہٰذا آپ نے اپنے جائز اور صحیح مقصد کو بیان کردیا تاکہ ہر ایک پر یہ بات واضح و روشن ہو جائے کہ جناب ابراہیمؑ کو کس قدر پروردگار کی رافت و رحمت سے امید تھی۔ مثال کے طور پر جب آپ یہ دعا فرماتے ہیں کہ "مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا" فوراً اسکے بعد آپ اپنے مقصد کو واضح اور سادہ زبان میں بیان فرماتے ہیں "پروردگارا! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے" اور اگر لفظ "رب" کو دہرایا ہے تو اس وجہ سے کہ خدا کی رحمت کو جوش میں لاسکیں۔ اسی طرح سے جب آپ نے یہ دعا کی: " پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے" اسکے بعد اپنے اس عمل کی وجہ کو بھی بیان فرمایا: " تاکہ نمازیں قائم کریں" اور پھر جب آپ نے اپنی حاجت کو طلب کیا: "اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما" تو اس دعا کا مقصد بھی ذکر کردیا: " تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں" (موسوی ہمدانی، ۲۶۹، ۷۴/۱۳)

پروردگار کو یاد کرنے والوں اور اسکے شکر گزار بندوں کے لئے یہ دعا کامل نمونہ ہے اور اگر اس سے پہلے سیاق و سباق کو دیکھیں تو درماندگی و عاجزی واضح طور پر سمجھ میں آئے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی قبطی کو قتل کرنے کے بعد اس طرح دعا فرماتے ہیں: " قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ " (قصص/۱۶)

موسیٰ نے کہا کہ پروردگارا! میں نے اپنے نفس کے لئے مصیبت مول لے لی لہٰذا مجھے معاف کردے، تو پروردگار نے معاف کردیا کہ وہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس دعا کا چونکہ دنیاوی امور سے تعلق نہیں تھا اور صرف بارگاہ خداوندی میں مغفرت کی دعا تھی لہٰذا جناب موسیٰ نے واضح لفظوں میں اپنی حاجت کو بیان کیا۔ لیکن مصر سے فرار ہونے کے بعد آپ اس طرح دعا فرماتے ہیں: ""موسیٰ نے دونوں کے جانوروں کو پانی پلادیا اور پھر ایک سایہ میں آکر پناہ لے لی عرض کی پروردگار یقینا میں اس خیر کا محتاج ہوں جو تو میری طرف بھیج دے" (قصص/۲۴)

”فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ“

جناب موسیٰؑ اپنی اس دعا میں التجا و ربوبیت سے تمسک کے علاوہ جو خود مستقل ادب ہے؛ ایک اور ادب کا استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ جب جناب موسی بن عمران کو شدید بھوک لگتی ہے اور بھوک کی شدت میں آپ پروردگار سے روٹی کی درخواست کرتے ہیں لیکن یہ درخواست بھی آپ واضح و آشکار لفظوں میں بیان نہیں کرتے آپ صرف قتل کے بعد فرار کئے جانے کی حالت کو بیان کرتے ہیں اور ان حالات میں خیر جو روٹی کے سوا کچھ نہیں تھا اسے طلب کرتے ہیں اور بقیہ چیزوں کو پروردگار کے لطف و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ انبیاء و اولیا علیہم السلام کی زندگی میں اس طرح کے ادب کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ (مترجمان، ۱۷۹، ۱۳۶۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی سرگزشت جہاں حیرت انگیز ہے وہیں پر شکوہ و باعظمت بھی۔ تلخ و دشوار حادثات کے سامنے آپ کا صبر و شکر نہایت عجیب تھا اس طریقہ سے کہ ”صبر ایوب“ مثال بن گیا، جب جناب ایوب مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں تو اس طرح دعا فرماتے ہیں: ”اور ایوب علیہ السّلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے بیماری نے چھولیا ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے “(انبیا/۸۴)

علامہ طباطبائی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ”تمام پیغمبروں کی طرح ایوبؑ بھی طاقت فرسا مشکلات سے نجات کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کے وقت ادب کا خیال رکھتے ہیں، آپ ان تعبیروں سے پرہیز کرتے ہیں جن سے شکوہ و شکایت کی بو آتی ہو، آپ نے ہرگز آہ و نالہ بلند نہیں کیا اور خدا کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، خدا کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں مانگا اور جب اجازت ملی تو صرف اتنا کہا: ”مجھے پریشانیوں نے گھیر لیا ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔“ اپنے پروردگار کی رحمت بیکراں سے تقاضہ کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بھی نہیں کہتے کہ میری مشکلات کو دور فرما چونکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ جس ذات کو پکار رہے ہیں وہ نہایت عظیم و بزرگ ہے وہ اچھی طرح بزرگی کے آداب سے آشنا ہے۔ اس دعا میں پروردگار کے حضور جو ادب کا خیال رکھا گیا ہے وہ آیت کے ابتدائی فراز سے اور واضح ہو جاتا ہے۔ جناب ایوبؑ اپنی حاجت یعنی بیماری سے شفاء کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے ہیں، انکی نظر میں انکی حاجت نہایت حقیر و چھوٹی ہے کہ اسکے لئے پروردگار سے درخواست کی جائے۔“ (زمخشری، ۱۳۰، ۱۴۰۷ ھ)

انبیاء علیہم السلام کبھی بھی دنیاوی امور کے سلسلہ میں اپنی حاجتوں کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کرتے تھے اگرچہ اس طلب میں انکا نفس شامل نہیں ہوتا تھا اسکے باوجود وہ اس سے پرہیز کرتے تھے۔

دعاوں میں عمومیت

انبیاء علیہم السلام کی دعاوں کا ایک ادب یہ ہے کہ انکی دعائیں عمومی و ہمہ گیر ہوتی تھیں۔ مومن دوستوں اور صاحبان حق کے لئے دعا کرنا دعاؤں کی قبولیت کے اسباب وآداب کے علاوہ مومنین کا ایک دوسرے کی گردن پر مسلّم حق ہے۔ مومن شخص بنیادی و عمومی اصول یعنی "جو اپنے لئے پسند کرو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو" کی بنیاد پر اپنی دعاؤں میں ایمانی بھائی اور بہنوں کو فراموش نہیں کرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی خود سے پہلے چالیس مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے اور اسکے بعد خود کے لئے دعا کرے تو اسکی دعا چاہے وہ چالیس مومن بھائیوں کے لئے ہو یا خود کے لئے قبول ہوتی ہیں۔ (حر عاملی، ۴۳، ۱۴۰۹ ھ)

حضرت نوح علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اس طرح دعا فرماتے ہیں: "رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا " (نوح/۲۸)

پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو جائیں اور تمام مومنین و مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ کرنا۔

اس دعا میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے خود کے لئے پھر اپنے والدین کے لئے اور اسکے بعد تمام مومنین کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔ اپنی قوم کے کافر افراد کے لئے بد دعا کرنے کے بعد الٰہی ادب کا تقاضہ تھا کہ وہ افراد جنھوں نے انکی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے پروردگار انھیں اپنی نظر رحمت سے دور نہ کرے لہٰذا دنیا وآخرت میں انکی سعادت وکامیابی کی دعا کی اسی وجہ سے پہلے اپنے لئے پھر اپنے والدین کے لئے اسکے بعد اپنی قوم کے مومنین کے لئے اور آخر میں تمام اہل توحید کے لئے چاہے وہ اس وقت موجود ہوں یا مستقبل میں آئیں گے سب کے لئے دعا کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اس طرح دعا فرماتے ہیں:

" خدایا تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرمادے کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے " (اعراف/۸۹)

اس دعا میں جناب شعیب علیہ السلام نے "ہمارے" فرمایا "میرے" نہیں کہا، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ تمام اہل توحید کو انھوں نے اپنی دعا میں شامل کرلیا تھا چونکہ آپ کی قوم نے آپ کے علاوہ تمام مومنین کو دھمکی دی تھی: "ان کی قوم کے مستکبرین نے کہا کہ اے شعیب! ہم تم کو اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تم بھی پلٹ کر ہمارے مذہب پر آجاؤ.... انہوں نے جواب دیا: کہ چاہے ہم تمہارے مذہب سے بیزار ہی کیوں نہ ہوں"؟:

" قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ" (اعراف/۸۸)

اس لئے انہوں نے مومنین کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا اور انہیں لیکر خدا کی بارگاہ کی طرف نکل پڑے اور دعا کی: خداوندا ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو ظاہر فرما۔ اس طرح سے گفتگو کرنا، آداب دعا کہلاتا ہے۔

انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں اگر دقت کی جائے تو ہمیں اس طرح کی بہت مثالیں ملتی ہیں حقیقت میں عاشق دربار احدیت جب اپنے معبود سے گفتگو کرتا ہے تو پھر وہ خود سے بے خبر ہو جاتا ہے وہ اپنا نفس نہیں دیکھتا ہے اور رہروان راہ حق نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے کہ دعا کرتے وقت سب سے پہلے دوسروں پر توجہ دیں انکی خیریت سلامتی اور عزت کے لئے فکرمند رہیں بیشک یہ چیز انانیت و نفس امارہ کی قید سے آزاد اور دعا کے پاک ہونے کے لئے بہت زیادہ موثر ہے۔

دعاؤں کا خاتمہ اسماء حسنیٰ پر

آخر میں دعاؤں کے اختتام اور حاجتوں کو ذکر کرنے کے بعد اسی دعا سے مناسب پروردگار کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی نام کو ذکر کیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت نہایت خوبصورت انداز میں بیان ہوئی ہے اور خود یہ قرآنی و عرفانی تحقیق کا موضوع ہے۔ قرآن کریم میں ملتا ہے: خدا کو اسکے اسمائے حسنیٰ سے بلاؤ اگرچہ اسکے نام لامتناہی ہیں اور اسماء و صفات اسکی عین ذات ہیں اور اسکے تمام نام حسنیٰ ہیں لیکن گفتگو دعا میں ادب کی ہو رہی ہے۔

" قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ " (اعراف/۸۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا وہ ہے جو آپ اور آپکے بیٹے اسماعیل نے خانہ کعبہ کی دیوار کو بلند کرتے وقت کی تھی: "اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السّلام و اسماعیل علیہ السّلام خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے اور دل میں یہ دعا تھی کہ پروردگار ہماری محنت کو قبول فرمالے کہ تو بہترین سننے والا اور جاننے والا ہے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار امت پیدا کر، ہمیں ہمارے مناسک دکھلا دے اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو بہترین توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، پروردگار ان کے درمیان ایک رسول کو مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انکے نفوس کو پاکیزہ بنائے، بیشک تو صاحبِ عزّت اور صاحبِ حکمت ہے":

" وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۲۷) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ " (بقرہ/۱۲۷-۱۲۹)

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہر دعا کے بعد پروردگار کے ناموں میں سے کسی ایک نام کا ذکر کیا ہے جیسے "السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" " اَلتَّوابُ الرَّحِيْمُ" "اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" اور انہی اسماء کے تناسب میں اپنی حاجتوں کو ذکر کیا اور تمام حاجتوں میں لفظ رب کو دہرایا۔ چونکہ ربوبیت خدا اور بندوں کے درمیان حلقہ وصل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عشق و عرفان سے بھری اس دعا میں عمومیت و ہمہ گیری پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ دعا کرتے وقت جناب ابراہیم علیہ السلام خود کو حق پرست ایمان لانے والے ایک گروہ کے درمیان تصور کرتے ہوئے جس چیز کی آرزو کرتے ہیں وہ ہر ایک کے لئے ہے۔ جناب سلیمانؑ بھی اسی طرح سے دعا فرماتے ہیں: " اور کہا کہ پروردگار مجھے معاف فرما اور ایک ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو کہ تو

بہترین عطا کرنے والا ہے " (ص/۳۵)

اپنی دعا کا اختتام آپ پروردگار کے اسماء میں سے ایک اسم یعنی "وہاب" پر کرتے ہیں جو آپ کی دعا سے تناسب رکھتی ہے۔ جناب سلیمان علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ ایک ایسے ملک کی تمنا کرنا جو ان سے پہلے کسی کو نہیں ملا پروردگار کی مشیت و لازوال قدرت سے سازگار ہے اور ان سب کو ایک دوست کی جانب سے احسان و تحفہ سمجھتے ہیں، اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ توحیدی معیار و عمل کی جزا سے زیادہ بھی پروردگار سے تمنا کی جاسکتی ہے۔ یہ قربت و دوستانہ رابطہ، حقیقت دعا کا نتیجہ ہے جو صرف سخت عمل کرنے والے اور پاکدل انسان کو میسر ہوتا ہے۔

نتیجہ

دعا کا مقصد خدا کی یاد اور قرب الٰہی ہے۔ چونکہ دعا عبادت ہے اس بنیاد پر یہ بہت بافضیلت عبادت ہے جو تقرب پروردگار حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ توجہ رہے کہ پروردگار کی بارگاہ میں دعا و تضرع اضطراب و بے چینی کے خاتمہ کا سبب ہے چونکہ مومن جانتا ہے کہ پروردگار کا ارشاد ہے: " مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا " (غافر/٦٠)۔ لہٰذا وہ پرامید ہے کہ خدا اسکی دعاؤں کو قبول، اسکی مشکلوں کو دور اور حاجتوں کو پورا فرمائے گا، غم و تکلیف کو اس سے دور کردے گا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں ہمیں مندرجہ ذیل آداب دیکھنے کو ملتے ہیں:

۱۔ ہر چیز سے پہلے انبیاء اپنی دعا میں اس مبارک لفظ "رب ربنا اور ربی" کا استعمال کرتے ہیں چونکہ ربوبیت خدا اور بندوں کے درمیان ایک حلقہ وصل ہے جو دعا کے قبول ہونے کی کنجی ہے۔

۲۔ لفظ رب کے استعمال کے بعد پروردگار کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور یہی عبودیت کا تقاضہ بھی ہے۔

۳۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد انبیاء کی دعاؤں کے آداب میں سے ایک ادب اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ برائیوں کا اعتراف، انسان کی روح کو رحمت و فضل پروردگار سے متصل کرنے کا ذریعہ اور توبہ کی توفیق حاصل ہونے کا سبب ہے۔

۴۔ اسکے بعد جن نعمتوں سے پروردگار نے انھیں نوازا ہے اسے یاد کرتے ہیں اور پھر اپنی حاجتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی معنوی و روحانی حاجتوں کو واضح و صراحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں لیکن مادی حاجتوں کو با واسطہ بیان کرتے ہیں۔ البتہ واضح رہے کہ انکی دعائیں عمومی و ہمہ گیر ہوتی ہیں۔

۵۔ دعا کے آخر میں اپنی حاجتوں سے مناسب پروردگار کے اوصاف میں سے کسی صفت کو بیان کرتے ہیں چونکہ اسکی ہر صفت کی ایک خاص تجلی واثر ہے اور اس صفت و تجلی کے درمیان ایک مخصوص رابطہ پایا جاتا ہے۔ ان دعائیہ آیات کے اختتام میں اوصاف الٰہی کا ہونا یا باالفاظ دیگر، آیات کے آخر میں اسمائے حسنٰی کا ہونا حسن ختام کی بہترین مثال ہے۔

منابع:

قرآن کریم

انصاریان، حسین، بی تا، عرفان اسلامی (شرح جامع مصباح الشریعہ ومفتاح الحقیقہ)، ج۶، نشر اول، تہران؛ انتشارات عرفان

انوری، حسن، ۱۳۸۱ش، فرہنگ بزرگ سخن، ج ۳، تہران، بی جا

جوادی آملی، عبداللہ، ۱۳۷۸ ش، حکمت عبادات، نشر دوم، قم، مرکز نشر اسرا

حر عاملی، محمد بن حسن، ۱۴۰۹ ھ، وسائل الشیعہ، بی جا، مؤسسہ آل البیت

راغب اصفہانی، محمد، ۱۴۲۳ ھ، مفردات الفاظ القرآن، نشر دوم، قم؛ انتشارات ذوی القربی

زمخشری، محمود، ۱۴۰۷ ھ، الکشاف، بیروت، دار الکتب العربی

سلیمانیان، خدامراد، ۱۳۷۷ش، دستان سبز نیائش، نشر اول، قم، انتشارات زائر

سید ابن طاووس، ۱۳۸۵ش، ادب حضور، ترجمہ محمد روحی، بی جا، انتشارات انصاری

شازلی، سید بن قطب بن ابراہیم، ۱۴۰۲ ھ، فی ضلال القرآن، بیروت، دار الشرق

طباطبائی، محمد حسین، بی تا، تفسیر المیزان، ترجمہ سید محمد باقر موسوی ہمدانی، نشر ۱۵، قم انتشارات اسلامی

طوسی، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار احیاالتراث العربی

عروسی حویزی، عبد العلی بن جمعہ، ۱۴۱۵ ھ، تفسیر نور الثقلین، قم اسماعیلیان

قرشی، سید علی اکبر، ۱۴۱۲ ھ، قاموس قرآن، ج ۱، نشر ششم، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

قمی، عباس، ۱۳۷۵ ش، مفاتیح الجنان، ترجمہ الٰہی قمشہ ای، نشر دوم، تہران، نشر محمد

کلینی، محمد بن یعقوب، ۱۳۸۸ ش، اصول کافی، ترجمہ لطیف راشدی و سعید راشدی، ج ۲، نشر اول، قم، اجود

مترجمان، ۱۳۶۰ ش، ترجمہ تفسیر مجمع البیان، تہران، فراہانی

معلوف، لویس، ۱۳۸۶ ش، فرہنگ المنجد عربی بہ فارسی، ترجمہ محمد بندر ریگی، ج ۱، نشر ششم، تہران، ایران

مکارم شیرازی، ناصر و دیگران، ۱۳۷۶ ش، تفسیر نمونہ، ج ۱، نشر ۱۵، تہران، دار الکتب الاسلامیہ

Bibliography

The Holy Quran.

Ansarian, Hussein, no date, Islamic Sufism (Comprehensive Description of Sharia and the Key of Truth), Volume 6, First Edition, Tehran: Erfan Publications.

Anwari, Hassan 2002, Farhang Bozorg Sokhan, vol. 3, Tehran: ,No Place,

Javadi Amoli, Abdullah 1999, The Wisdom of Worship, Second Edition, Qom: Asra Publishing Center. Hor Amoli, Muhammad bin Hassan. 1409 H, Vasael Al-Shia, no place, Al-Bayt Institute.

Ragheb Isfahani Mohammad. 1423 H, the contents of the words of the Qur'an, second edition, Qom, Zu al-Qorbi Publications.

Zamakhshari, Mahmoud 1407 H, Al-Kashaf, Beirut, Dar Al-Kotob Al-Arabi.

Soleimanian, Khodamard, 1998, Dastane Sabze Niyayesh, first edition, Qom, Zaer

poblications.

Seyed Bin Tavous, 2006, Adab Hozur, translated by Mohammad Rouhi, no place, Ansari Publications.

Shazli, Sayyid ibn Qutb ibn Ibrahim. 1402 H, Fi Zalal Al-Qur'an, Beirut, Dar al-Sharq.

Tabatabai, Mohammad Hussain, no date, Tafsir Al-Mizan, translated by Seyyed Mohammad Baqir Mousavi Hamedani, vol. 15, Qom, Islamic Publications.

Tusi, Muhammad ibn Hassan, no date, Al-Tibyan Fi Tafsir Al-Quran, Beirut, Dar Al-Ahya Al-Tarath Al-Arabi.

Arusi Hoveizi, Abdul Ali bin Juma. 1415 H, Tafsir Noor al-Thaqalin, Qom, Ismailian.

Qurashi, Seyed Ali Akbar 1412 H, Quran Dictionary, vol. 1, sixth edition, Tehran, Dar Al-Kotob Al-Islamiya.

Qomi, Abbas 1996, Mafatih Al-Jannan, Divine Translation of Qeshmahi, Second Edition, Tehran, Mohammad Publishing.

Kelini, Muhammad ibn Ya'qub 2009, Osul Kafi, translated by Latif Rashedi and Saeed Rashedi, Volume 2, First Edition, Qom, Ajoud.

Translators. 1981, translation of Tafsir Majma 'al-Bayan, Tehran, Farahani.

Ma'loof, Lewis. 2007, Farhang al-Munajjid Arabic to Persian, translated by Mohammad Bandar Rigi, vol. 1, sixth edition, Tehran, Iran.

Makarem Shirazi, Nasser and others. 2007, Sample Interpretation, Vol. 1, Edition 51, Tehran, Dar Al-Kotob Al-Islamiya.